وفاقی شرعی عدالت

ایک جدید اجتہادی ادارہ

ظفر علی راجا ایڈووکیٹ
صدر حلقہ احباب قانون (پاکستان)

عالم فانی کی بنیاد کچھ ایسے عناصر پر استوار کی گئی ہے۔ جنہیں ثبات نہیں۔ اس کی ضروریات اس کے مسائل۔ طرز زندگی۔ طرزِ معاشرت۔ اس کے موسم۔ اس کے دن رات حالات و واقعات ہر لحظہ ہر آن بدلتے رہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں۔

ایک طویل عرصہ سے گمراہی کی تیز دھوپ میں جلتی ہوئی انسانیت کو جب اسلام نے اپنے سایۂ رحمت سے سرفراز کیا، تو چند ہی برسوں میں تاریخ کی بوڑھی آنکھوں نے ایک لازوال انقلاب کو عالمِ وجود میں آتے ہوئے دیکھا۔ اور پھر یہ انقلاب نہایت سرعت سے بگڑی ہوئی تہذیبوں کے خدوخال میں ایک نورانی چمک اور تہذیب پیدا کرتا چلا گیا تاریخ انقلابات کے سب سے عظیم ہیرو سرکارِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلامی انقلاب برپا کرنے کے بعد اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کا سفر اختیار کرنے لگے، تو اسلامی انقلاب کے تمام نمایاں اصول، قوانین، اور مثالیں سینہ بہ سینہ لاکھوں فرزندانِ قوم کے قلب و جگر میں اس طرح سما چکی تھیں، جس طرح پھول کے بدن میں خوشبو۔

اسلامی انقلاب کے زیرِ اثر ایک نئی اور عالم گیر تہذیب نے جنم لیا۔ اس تہذیب کے اثرات مختلف اقوام اور مختلف علاقوں میں تیزی سے پہنچے۔ کاروبار حکومت وسعت کی نئی حدود کو چھونے لگا۔ اس روز افزوں ترقی پذیر معاشرے تہذیبی ارتقاء اور تغیر کی وجہ سے نئے نئے مسائل بھی سامنے آئے۔ اور ان کا حل بھی وقت کی ضرورت ٹھہرا۔ یہ سلسلہ آج

جاری ہے ۔ ہر روز نت نئے مسائل اپنا کاسہ سوال اٹھائے اربابِ حل وعقد کے سامنے آکھڑے ہوتے ہیں ۔ اور ایسا جواب طلب کرتے ہیں، جو جدید دنیا کے نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلم دانش وروں کو بھی مطمئن کر سکے، اور اسلام کے ایک لازوال مذہب ہونے کا ثبوت پیش کر سکے ۔

اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ اللہ تبارک تعالیٰ کا کلام، قرآن مجید اور رسول اللہ کی سُنّت واحادیث ہیں ۔ عالمِ اسلام کو جب بھی کوئی نیا مسئلہ دَرپیش ہوتا ۔ ہمیشہ ان دونوں ذرائع سے رجوع کیا جاتا ۔ قرآن واحادیث میں زندگی کے تمام مسائل اور اطوار کے بارے میں بنیادی اصول موجود ہیں ۔ خود شارع قانونِ اسلام نے فرمایا تھا ۔ کہ انتہائی کوشش یہی ہونی چاہیے ۔ کہ مسائل کا حل قرآن وحدیث سے تلاش کیا جائے ۔ اگر یہ دونوں مآخذ کسی مسئلے پر خاموش ہوں ۔ تو پھر اسلام کے بنیادی اصولوں اور عقائد کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے مناسب فیصلے کئے جائیں ۔ اسی کوشش اور تلاش و جستجو کو اجتہادؔ کا نام دیا گیا ۔ اجتہاد کا لفظ جُہد سے مشتق ہے ۔ لہٰذا جب کوئی اہل شخص کسی خاص مسئلے پر شرعی حکم یا اسکی رُوح معلوم کرنے کے لئے اس قدر جدّوجہد کرے ۔ کہ اس سے زیادہ انسان کے بس میں نہ ہو ۔ اور اس کے بعد کوئی نتیجہ اخذ کرے ۔ تو اسے اجتہاد کہا جاتا ہے ۔

اسلام کے ابتدائی دَور سے آج تک اجتہاد نے اسلامی قانون کی تعبیر، ترقی اور ارتقاء کے سلسلے میں قابلِ قدر خدمات سَرانجام دی ہیں ۔ اجتہاد کے ذریعے اسلامی فقہ کے بنیادی ڈھانچے پر گزشتہ چودہ صدیوں میں ایک عظیم الشان عمارت کھڑی ہو چکی ہے ۔ زندگی کے سفر میں پیش آنے والی قانونی اور فقہی اُلجھنوں اور رکاوٹوں میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو ۔ جس کے تمام امکانی پہلوؤں پر پوری جزئیات کے ساتھ مباحث مجتہدین کے ہاں نہ ملتے ہوں ۔ زندگی ایک جہدِ پیہم کا نام ہے ۔ اس میں پتھر کے ساتھ جانوروں کا شکار کرنے سے لے کر چاند ستارے

پر کمند ڈالنے کے مرحلے تک آتے ہیں۔ ایک رواں دواں اور متحرک زندگی کے مسائل کے لئے ایک رواں دواں اور زندہ قانون کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن افسوس کہ مسلمانوں کے زوال سے اجتہاد جیسی قوت پر بھی اضمحلال طاری ہوگیا۔ ایک مدت تک یہ عظیم قانونی طاقت اپنی صلاحیت کارکا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہی۔ یہاں تک کہ مغربی مفکرین بلکہ خود جدید لادینی فکر کا شکار ہونے والے مسلمان "دانشور" اسلامی فقہ کو ایک فرسودہ چیز قرار دینے لگے۔

گذشتہ برسوں کے دوران ایک مرتبہ پھر عالم اسلام نے انگڑائی لی ہے۔ اور ایک مرتبہ پھر مختلف اسلامی ممالک میں اسلام اور اسلامی قوانین کے احیاء کی طرف پیش رفت ہوئی ہے۔ خود پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے اور خالص اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سرگرمی سے کام ہو رہا ہے۔ دیگر بے شمار اقدامات کے علاوہ اسلامی فقہ کو رائج کرنے اور غیر اسلامی قوانین کو موقوف کرنے کے لئے بھی جدوجہد کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس مقصد کے لئے وفاقی حکومت نے عدالتِ عالیہ کے ہم رُتبہ ایک نئی عدالت تشکیل دی ہے۔ جس کا نام وفاقی شرعی عدالت رکھا گیا ہے۔ اس عدالت میں پاکستان کے اندر رائج خلافِ شرع کسی بھی قانون کو کلی یا جزوی طور پر چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ وطن عزیز کے ہر عاقل و بالغ شہری کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ وہ رائج قوانین یا ان کے ایسے حصّوں یا دفعات کو جو اسلامی تعلیمات اور اصولوں سے متصادم ہوں عدالت سے کالعدم قرار دلواسکے۔

وفاقی شرعی عدالت نے اپنے آغاز کے فوراً ہی بعد اپنی عام عدالتی استعداد کے ساتھ ساتھ ایک عظیم اجتہادی ادارے کے طور پر جس کارکردگی کا مظاہرہ کیا، وہ نہ صرف انتہائی حوصلہ افزا بلکہ قابلِ تعریف و تحسین ہے اس ادارے میں شاملِ ارکان ان تمام اوصاف اور خوبیوں کے حامل ہیں جو اجتہاد کرنے والوں کے لئے ضروری ہیں۔ اس ادارے میں ایسے جج شامل ہیں جو اپنی ذات میں نیک۔ قابلِ اعتبار۔ صاحب الرائے۔ صاحبِ فراست۔ انصاف پسند اور اچھے

اخلاق کے مالک ہیں۔ یہ لوگ شریعت کے بنیادی مآخذ سے مختلف مسائل پر اسلامی احکام یا ان کی اصل روح کشید کر سکتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات اور دیگر فقہی پہلوؤں سے کماحقہٗ واقف ہیں۔ نصوصِ شرعیہ سے احکام کی علت و سبب کے بارے میں تحقیق کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ انہیں تمام جدید قوانین دَورِ انگلیشیہ کے ضابطوں اور بین الاقوامی قوانین سے مکمل آگاہی حاصل ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس ادارے کو عام مجتہدین کے بَرعکس کسی بھی ایسے قانون کو کالعدم کر دینے کی آئینی طاقت فراہم کی گئی ہے۔ جو اسلامی تعلیم سے متصادم ہو۔ یہی وہ صلاحیت ہے۔ جو اس ادارے کے اجتہادی فیصلوں کو مؤثر بناتی ہے۔ اور انہیں ایک باقاعدہ قانون کی حیثیت عطا کرتی ہے۔

اجتہاد کی بڑی بڑی دو قسمیں ہیں۔ ایک کو ہم اجتہادِ مطلق کہہ سکتے ہیں جبکہ دوسری کو اجتہاد اضافی کا نام دیا جاتا ہے۔ اجتہادِ مطلق سے مراد کسی ایسے مسئلے پر رائے کا اظہار کرنا ہے۔ جس کی کوئی مثال یا نظیر پہلے سے موجود نہ ہو۔ جبکہ اجتہادِ اضافی سے مراد ایسی تحقیق و جستجو ہے۔ جس میں کسی مسئلے پہ امثال و نظائر کی موجودگی میں اس سے ملتے جلتے دیگر مسائل پر قیاس کے ذریعے حکم لگایا جائے۔ وفاقی شرعی عدالت ان ہر دو قسم کے اجتہادات کے لئے موزوں ترین ادارہ ہے[1] گو کہ ابھی تک اجتہادِ مطلق سے متعلقہ بہت کم مسائل شرعی عدالت کے سامنے پیش ہوئے ہیں اور اس کا زیادہ تر کام اجتہاد اضافی تک محدود رہا ہے۔ لیکن خود یہ کام بھی کچھ کم اہم نہیں ہے کسی بھی نئے مسئلے پر تازہ ترین حالات کے مطابق اجتہادی رائے دینا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے گذشتہ چودہ صدیوں کا تمام علمی اور فقہی ذخیرہ کھنگالنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔

یہاں وفاقی شرعی عدالت میں زیرِ بحث آنے والے چند ایک اجتہادی مسائل کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ بہت سے لوگوں نے بنجر اور غیر آباد زرعی اراضی حکومت سے پٹہ پر حاصل کر رکھی ہے

---

[1] اجتہادِ مطلق کی معروف شرائط کی موجودگی میں (ادارہ)

ورانھوں نے اپنی محنت اور سرمائے سے اس اراضی کو ہموار کیا۔ سرسبز و شاداب بنایا۔ اور
س میں فصلیں پیدا کیں۔ آج سے قبل کے اسلامی معاشرے میں چند احادیث اور دیگر حوالوں
سے یہ بات ثابت کی جاتی تھی کہ جو شخص بنجر اور بے مالک افتادہ اراضی کو آباد کرلے۔ وہ
سی کی ملکیت ہوجاتی ہے۔ تقریباً تمام متعلقہ احادیث و حوالہ جات میں افتادہ و بنجر اراضی
کے لئے لفظ موات استعمال ہوا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے موات کو بے مالک کے معنوں
یں لیا۔ اور قرار دیا، کہ چونکہ پٹہ پر ملی ہوئی اراضی کی اسلامی حکومت مالک ہے لہٰذا وہ موات اراضی
کی تعریف میں نہیں آتی اور اس کے آباد کرنے والے مالکانہ حقوق کے سزاوار نہیں ٹھہرتے۔

ایک اور رائج الوقت قانون کے تحت حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ جس شہری جائیداد
کو چاہے۔ خرید لے۔ چاہے اس کا مالک اُسے فروخت کرنا چاہتا ہو۔ یا نہ چاہتا ہو۔ بہت
سے لوگوں نے اس قانون کو غیر اسلامی قرار دیا۔ رسولِ اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے کی مثالیں
ڈھونڈ کر لائے۔ تاکہ اپنا موقف ثابت کرسکیں۔ لیکن وفاقی شرعی عدالت نے بڑی عرق ریزی
سے اس سارے معاملے اور اس پر ہونے والے اجتہادات کا جائزہ لینے کے بعد رائے قائم
کی۔ کہ اگر شہری جائیداد مفادِ عامہ کے کسی کام کے لئے درکار ہو۔ تو حکومت اسے مالکِ جائیداد
کی منشاء کے بغیر بھی خرید سکتی ہے گویا مفادِ عامہ کے مقصد کے تحت خریدی ہوئی شہری جائیداد
مالک کی اجازت کے بغیر بھی حاصل کرلی جائے۔ تو حکومت کا یہ عمل اسلامی تعلیمات اور قوانین
کے منافی نہ ہوگا۔

وفاقی عدالت کے سامنے پیش ہونے والے مقدمات کی اکثریت زنا اور حدود
آرڈیننس سے تعلق رکھتی ہے۔ زنا۔ اغواء اور شراب نوشی جیسے معاملات میں بھی وفاقی
عدالت نے اضافی اجتہاد کی بے شمار مثالیں قائم کی ہیں۔ اور عقلی فقہی اور عملی دلائل دے کر
ایسی ایسی اجتہادی آراء قائم کی ہیں۔ جو جدید دور کے تقاضوں پر بھی پورا اترتی ہیں۔ اور

ن تعلیمات کے دائرے سے باہر بھی نہیں جاتیں۔ ایک شخص کو چرس بھرا سگریٹ پیتے
لزام میں دو سپاہیوں نے پکڑ لیا۔ اور امتناع منشیات آرڈیننس (حدود) کی دفعہ آٹھ کے
ت اس پر مقدمہ دائر کر دیا۔ ایک سپیشل جج نے اس مقدمہ کی سماعت کی۔ اور ملزم کو
ا دفعہ کے تحت مجرم قرار دے کر اسّی کوڑوں کی سزا سنا دی۔ ملزم نے وفاقی شرعی عدالت
ے سامنے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی۔ وفاقی عدالت نے کوڑوں کی سزا کو غیر قانونی قرار
یتے ہوئے وضاحت کی۔ کہ اسّی کوڑوں کی حد صرف شراب پینے والوں کے لئے مقرر ہے۔
عض چرس پینے پر یہ سزا نہیں دی جا سکتی۔ عدالت کی اس اضافی اجتہادی رائے کے سبب
ملزم نہ صرف بری ہو گیا۔ بلکہ آئندہ کے لئے ایک عدالتی نظیر بھی قائم ہو گئی۔

ایک عرصہ سے ملتِ اسلامیہ میں یہ روایت عقیدے کے طور پر چلی آ رہی ہے۔ کہ
عورت حکومت اور عدلیہ میں اہم ترین عہدوں پر فائز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسلام میں اس بات
کو نگاہِ تحسین سے نہیں دیکھتا۔ اور بعض دیگر وجوہات کی بنا پر بھی عورت اس منصب پر
کام کرنے کی اہل ثابت نہیں ہوتی۔ حال ہی میں وفاقی شرعی عدالت کے روبرو ایک مسئلہ
پیش ہوا۔ جس میں یہ فیصلہ کرنا مقصود تھا کہ عورت کو ایک اسلامی ریاست میں جج یا قاضی مقرر
کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ گو کہ عوامی سطح پر بعض بڑے "نامور" "اسلامی مفکر" عورت کی نااہلی کے حق
میں بہانگ دہل اپنی آراء دے چکے تھے۔ اس کے باوجود وفاقی شرعی عدالت نے پوری چھان بین
، متضاد آراء کے تقابلی جائزے اور تمام مکاتیب فکر اور مذاہب کے اجتہادی ادب کا
مطالعہ کرنے کے بعد رائے قائم کی۔ کہ عورت قاضیہ یا جج جیسے منصبِ جلیلہ پر فائز ہونے
کا اسلامی حق رکھتی ہے۔ اور ایسا کرنا اسلامی تعلیمات اور اصولوں سے متصادم قرار نہیں
دیا جا سکتا۔

یہی عالم تصویر کے مباح یا ناجائز ہونے کا ہے۔ اکثر و بیشتر علمائے دین تصویر کو

ناجائز اور ممنوع قرار دیتے رہے ہیں۔ اور بہت سی احادیث کو سند کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ اسی تاثر کے زیر اثر ایک پاکستانی شہری نے وفاقی شرعی عدالت میں دعوٰے پیش کیا۔ اور موقف اختیار کیا۔ کہ تصویر اتروانا چونکہ ایک غیر اسلامی فعل ہے۔ اس لئے اسے ممنوع قرار دیا جائے۔ اس نہایت اہم اجتہادی مسئلے کی سماعت کے لئے پانچ ججوں پر مشتمل بنچ تشکیل دیا گیا۔ جنہوں نے تصویر کے جائز ہونے کے حق میں فیصلہ صادر کیا۔ اس دعوے میں مدعی نے احادیث کے علاوہ قرآنِ مجید سے بھی سند پیش کی تھی۔ اس طرح اس کی اہمیت دوچند ہوگئی تھی۔ وفاقی عدالت نے جس استدلال اور گذشتہ مجتہدین کی کاوشوں سے روشنی حاصل کر کے فیصلہ لکھا۔ وہ کافی دلچسپ اور فکر انگیز ہے۔ لہٰذا اس فیصلے کا ترجمہ و مفہوم یہاں پیش کرنا قارئین کے ذوقِ تجسّس کے لئے باعث اطمینان ہوگا۔ عدالت کے ایک رُکن جسٹس ذکا اللہ لودھی فیصلہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"مدعی اہلسنّت والجماعت (حنفی بریلوی) مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے نیشنل رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء کو چیلنج کیا ہے۔ اس ایکٹ کے تحت ہر پاکستانی شہری پر یہ لازم آتا ہے۔ کہ وہ حکومت کے طریقہ کار کے مطابق اپنی رجسٹریشن کروائے۔ یہ قانون نہایت مُفید ہے۔ اس سے نہ صرف حکومت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ بلکہ خود رجسٹریشن کروانے والے شہری کو بھی اپنی شناخت کے سلسلے میں آسانی میسّر آتی ہے۔ مدعی نے اس قانون کو صرف اس بنیاد پر چیلنج کیا ہے۔ کہ اس قانون کی رُو سے اُسے اس بات کا پابند کر دیا گیا ہے۔ کہ وہ نہ صرف یہ کہ اپنا شناختی کارڈ بنوائے بلکہ اس پر ثبت کرنے کے لئے اپنی تصویر بھی مہیّا کرے۔ مدعی کا خیال ہے۔ کہ فوٹوگرافی۔ مصوری (پینٹنگ) اور فائن آرٹ سے متعلقہ دیگر کام اسلام کی نظر میں حرام ہیں۔ لہٰذا اس کی درخواست ہے۔

کہ اس قانون کو قرآن اور احادیث سے متصادم ہونے کی وجہ سے اسلامی اصولوں کے خلاف قرار دے دیا جائے۔"

مدعی کی طرف سے مسٹر نذیر اختر عدالت کے سامنے پیش ہوئے۔ اور انہوں نے مدعی کی درخواست کے سلسلے میں قرآن حکیم کی آیت ۳۴/۱۳ کے علاوہ چند احادیث پر بھی انحصار کیا۔ یہ احادیث بخاری۔ (کتاب الاشالات) مسلم (کتاب المساجد) سے اخذ کی گئی ہیں۔

جہاں تک اوپر بیان کردہ آیت کریمہ کا تعلق ہے۔ تو خود آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی نوعیت محض ایک خبر کی سی ہے۔ جو ہمیں یہ اطلاع بہم پہنچاتی ہے۔ کہ حضرت سلیمان نے مختلف قسم کی عمارتیں بنوائی تھیں۔ اور انہیں مجسموں اور تصویروں یعنی تماثیل سے سجایا تھا۔ تماثیل میں فوٹو گرافی بھی شامل سمجھی جائے گی۔ کیونکہ فوٹو گرافی کی ٹیکنیک کے ذریعے کسی بھی موجود چیز کی تصویر کاغذ پر منتقل کی جاتی ہے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے۔ کہ مذکورہ آیت نہ تو تماثیل کی تیاری کے امتناع کے سلسلے میں کوئی ہدایت جاری کرتی ہے۔ نہ ہی ان کی تعریف یا تنقیص کرتی ہے۔ اس آیت کے علاوہ اس موضوع پر قرآن حکیم میں اور کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ بات بالکل غیر متنازعہ ہے۔ کہ قرآن حکیم میں فائن آرٹس کی مکمل ممانعت تو کیا کسی جگہ حوصلہ شکنی تک نہیں کی گئی۔ اب صرف اس بات کا جائزہ لینا باقی رہ جاتا ہے۔ کہ فائن آرٹس کی جائز حدود کون سی ہیں۔ اور ان کی نوعیت کیا ہونا چاہیئے۔ ان کا اخذ و تعین قرآن شریف کی بتائی ہوئی اخلاقی حدود و قیود کی پالیسی کے مطابق کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے قبل میں اس بات کا بھی تذکرہ کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ یہ چیز ہمارے ایمان کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ کہ تمام نبی اللہ تعالیٰ کے پیغامبر ہیں۔ اور ان پر نازل ہونے والی وحی سچی اور اس پر عمل ضروری ہے۔ اور ان کے معمولات زندگی خدائی احکامات سے عدم مطابقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ نبی کی شان کے خلاف ہے۔ اور قرین قیاس نہیں۔ در اصل یہ تمام نبی پیغمبر آخر الزمانؐ کے ہراول دستے کے طور پر مبعوث کئے

گئے تھے۔ ان پر اتاری گئی وحی بھی اسلام ہی کی ابتدائی شکل تھی۔ لہٰذا زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کے معمولات اور فرمان ہمارے لئے بھی حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔ بجز اس کے کہ بعد میں انہیں باقاعدہ تبدیل کر دیا گیا ہو، ان میں ترمیم کر دی گئی ہو یا پھر انہیں ممنوع قرار دے دیا گیا ہو۔

اب مجھے اس موضوع پر احادیث کی طرف آنا چاہیئے۔ احادیث کی تمام چھ کتابیں (صحاح ستہ) جنہیں سُنی حضرات مستند تسلیم کرتے ہیں۔ اور صحاح اربعہ جنہیں شیعہ مکتبِ فکر میں مُستند تصوّر کیا جاتا ہے۔ اس امر کا انکشاف کرتی ہیں۔ کہ رسولِ اکرمؐ نے ابتدائی طور پر ہر قسم کی تماثیل کو ممنوع قرار دیا تھا۔ اس ممانعت میں اس قدر شدت تھی۔ کہ تماثیل سے مزین کپڑے کے استعمال تک سے منع کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ ہدایات بھی جاری کی گئیں۔ کہ مُردہ لوگوں کی قبروں پر مساجد نہ تعمیر کی جائیں۔

علاوہ ازیں پیغمبروں اور دوسرے نیک لوگوں کی تماثیل بنانے سے بھی سختی سے روک دیا گیا۔ ان پابندیوں کی وجوہات کا پتہ چلانے کے لئے ہمیں تاریخی پس منظر کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ بہت سے قابلِ احترام اور ممتاز محققین و اہل قلم نے اس موضوع پر قرآن اور حدیث کی روشنی میں اظہارِ خیال کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ کہ تماثیل کی تیاری اور استعمال پر پابندی کا مقصد صرف یہ تھا۔ کہ لوگوں کے ذہن سے زمانہ جاہلیت کے ان نقوش و عادات کو بالکل کھُرچ دیا جائے۔ جن کا رجحان ابھی تک ان کے مزاجوں میں پایا جاتا تھا۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے حنفی مکتبِ فکر کے ایک عالم امام طحاوی کے حوالے سے اپنی کتاب "اسلام میں حلال و حرام" میں اس موضوع پر نہایت قابلیت سے بحث کی ہے۔ اور نتائج اخذ کئے ہیں۔ جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔

"آغاز میں شارع نے ہر قسم کی تصویر سے منع فرمایا تھا۔ خواہ وہ نقش ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ تصویر پرستی کا زمانہ گزرے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ہر قسم کی تصویریں ممنوع قرار دیدی گئیں پھر جب ممانعت کے حکم پر عمل درآمد ہو گیا تو آپ نے

کپڑوں میں بنے ہوئے نقوش کو عام ضرورت کے پیشِ نظر مستثنیٰ کر دیا۔ پھر ایسی تصاویر کو بھی جائز کر دیا۔ جن کی بے وقعتی کی جاتی تھی ۔ جس تصویر کی بے وقعتی نہیں کی جاتی تھی ان کی ممانعت برقرار رہی۔"

یہاں مصنف کا ایک اور حوالہ بھی بے جا نہ ہوگا۔

" اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ تصویر کے مقصد کو حرمت وغیرہ کے احکام میں کافی دخل ہے اور کوئی مسلمان ایسی تصویر کے حرام ہونے کی مخالفت نہیں کرے گا۔ جس کا مقصد اسلام کے عقائد اس کی شریعت اور اس کے آداب کے خلاف ہو پس عورت کی عریاں اور نیم عریاں تصویریں اور نسوانیت کی خصوصیات رکھنے والے فوٹو جن سے فتنہ کا اندیشہ ہو سکتا ہے ایسے اعضاء کو نمایاں کرنا اور ان کے خاکے بنانا جو شہوانی ہیجان پیدا کرنیوالے ہوں اور جنسی جذبات کو بھڑکانے والی تصویریں بنانا جیسا کہ اس کا مظاہرہ رسائل اور اخبارات اور سینما گھروں میں کھلے بندوں ہو رہا ہے تو ان تمام چیزوں کے حرام ہونے میں اور اس قسم کی تصویر سازی کی ممانعت میں ادنیٰ شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔" (صفحہ نمبر ۱۵۴ تا ۱۵۷)

مصنف نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ

" اور گناہ میں اس سے قریب تر وہ شخص ہے۔ جو کسی ایسی چیز کی تصویر بنائے جس کی پرستش تو نہ کی جاتی ہو لیکن اس سے مقصود اللہ کی تخلیق کی مشابہت ہو یعنی وہ یہ دعوٰے کرے کہ وہ بھی اللہ ہی کی طرح تخلیق و ایجاد کا کام کرتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا تعلق صرف مصوّر کی نیت سے ہے۔" (صفحہ ۱۵۹)

امام طبری نے بھی اس موضوع پر مسلم شریف کی ایک حدیث کے حوالے سے بحث کی ہے حدیث شریف یہ ہے:

کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ترجمہ: "قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان مصوروں کو ہوگا"

طبری نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔ کہ

"یہاں مراد وہ مصور ہے، جو کسی ایسی چیز کی تصویر بناتا ہے۔ جس کی پرستش کی جاتی ہو۔ اس کا دانستہ طور پر اس غرض کے لئے تصویر بنانا کفر کے مترادف ہے"

(اسلام میں حلال و حرام۔ صفحہ ۱۴۳)

جہاں تک نقشین (پرنٹڈ) کپڑے کے استعمال کا تعلق ہے۔ تو اس کی ممانعت کے سخت احکامات کے کچھ عرصہ بعد ان میں نرمی کر دی گئی تھی۔ اور یہ نرمی اس احساس کے بعد کی گئی تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے مسلمانوں نے اپنے آباء و اجداد کے اعتقادات کو باقاعدہ رد کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس سے قبل انہیں امتناعی ہدایات کے ذریعے اس کام سے روکنا بہت ضروری تھا۔ لہٰذا بعد میں نقشین کپڑے کا استعمال "مباح" قرار دے دیا گیا (سنن ابی داؤد جلد سوئم طبع شدہ قرآن محل کراچی تشریح حدیث نمبر ۵۳ - ۷۷۴)

یہاں میں محمد یوسف فاروقی (ماہنامہ فکر و نظر۔ شمارہ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۳۱) کے خیالات کا حوالہ دینا بھی مفید سمجھتا ہوں۔ اس موضوع پر تمام احادیث کا جائزہ لینے اور تاریخی پس منظر کا تجزیہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ تماثیل کی ممانعت کے احکامات صرف اور صرف ان غیر اخلاقی اور بت پرستی کے رجحانات کو دبانے کے لیے جاری کئے گئے تھے جو اس وقت کے معاشرے میں عام تھے۔

"زمانہ جاہلیت میں اس قسم کے مجسمے اور تصاویر عام ہوتی تھیں۔ جن قسموں کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ اور اسلام میں اسی قسم کی تصاویر اور مجسمے ممنوع ہیں۔ لیکن اگر تصاویر اور مورتیاں مشرکانہ نہ ہوں۔ بلکہ ان کا مقصد تعلیم و تربیت نشر و اشاعت

اور ترسیلِ پیغام ہو۔ یا دیگر تعلیمی اور انتظامی مقاصد کے لئے ہوں۔ تو وہ مباح ہیں۔ تصاویر میں اصل علت حرمتِ شرک اور سببِ شرک ہیں اور اس میں جاندار اور بے جان کی کوئی تفریق نہیں۔ اگر غیر جاندار کی تصاویر مشرکانہ ہوں گی تو وہ بھی حرام ہوں گی۔" (صفحہ ۱۴۱)

مندرجہ بالا اخذ کردہ تمام نتائج اور احادیث کی تشریحات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس موضوع کا مرکزی نقطہ یا زور صرف بت پرستانہ اور غیر اخلاقی حرکات کے سدباب پر ہے۔ یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ کہ چونکہ اسلام کی آمد سے قبل عرب لوگ بت پرست تھے۔ اور اسلام قبول کر لینے کے بعد ان کے ذہنوں سے ان کے آباء واجداد کے طور طریقے پوری طرح محو نہیں ہوئے تھے۔ اور رسولِ اکرمؐ ان کے اذہان کو اس قسم کے تمام رجحانات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاک کر دینا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ابتدائی طور پر اس سلسلے میں سخت ہدایات جاری کیں۔ اور یہ ہدایات ان ہدایات ہی کا ایک حصہ ہیں۔ جو مسلمانوں کے ایمان کو دوسرے عقائد کی آمیزش اور آلودگی سے ممکنہ حد تک محفوظ رکھنے کے لئے جاری کی گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خود قرآن ان لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ جو اپنے عقائد پر صدقِ دل سے یقین نہیں لائے تھے۔ اور انہیں منافق کہہ کر پکارتا ہے۔ ان ہی حالات میں مردہ لوگوں کی قبروں کو مسمار کیا گیا مجسموں اور تصاویر وغیرہ کو تباہ کیا گیا۔ اور تصاویر وغیرہ کے بنانے اور استعمال میں لانے پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔ مگر آج کی اسلامی دنیا ایک بالکل الگ مقام پر کھڑی ہے۔ آج ہر مسلمان اپنے مذہبی عقائد پہ سختی اور صدقِ دل سے یقین رکھتا ہے۔ اب جبکہ (تصویر کی بندش کی) وجوہات تبدیل ہو چکی ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم اس موضوع پر احادیث کو ذرا مختلف نقطۂ نظر سے دیکھیں۔ مدعی کے فاضل وکیل کا یہ کہنا۔ کہ ان احادیث کی ہدایات آفاقی نوعیت کی ہیں۔ صرف ان احادیث کے

ظاہری لفظی مطالب نکالنے کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے ان کے الفاظ پر زور دیتے ہوئے ان میں پوشیدہ اصل مقاصد کو بالکل نظرانداز کر لیا ہے۔ اگر ان احادیث کا ان کے اصل زمانے اور ضروریات کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو یقیناً یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ان کا اطلاق آفاقی نوعیت کا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اسلام جیسا حقائق پر مبنی مذہب ایک ایسی چیز کو ممنوع قرار دے دیگا۔ جس کا ترقی اور لوگوں کے لطیف جذبات کی سیرابی سے نہایت قریبی تعلق ہے۔

اسلام یقیناً کسی بھی آرٹ یا سائنس کے منفی استعمال کو نہایت سختی سے روکتا ہے۔ ایک صحت مند۔ ترقی پذیر۔ اور با اصول معاشرے کے لیے ضروری ہے۔ کہ اس میں انسانی سوچ کے تمام ذرائع اور کاوشیں تعمیری کردار ادا کرنے کے لئے صرف ہوں۔ اور یہی اسلام بھی چاہتا ہے۔

یہاں اس موضوع پر قرآنی تصوّر اور پالیسی کے بارے میں چند الفاظ بے جا نہ ہوں گے۔ فنونِ لطیفہ کا مقصد اور فائدہ یہی ہے۔ کہ وہ ایک شخص کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ پورے معاشرے میں نئی قوت اور رجائیت پیدا کر کے اسے خوبصورت اور حسن عطا کرتے ہیں۔ دل و دماغ کی صلاحیتوں کو صیقل کرنے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ لیکن اگر فنونِ لطیفہ کو غیر ذمہ داری کے ساتھ استعمال کیا جائے تو یہ معاشرے پر تباہ کن اثرات مرتّب کرتے ہیں۔ اسلام فنون کے اس طرح استعمال کی مذمّت کرتا ہے۔ لیکن جہاں تک ان کے فائدہ مند اور متوازن استعمال کا تعلق ہے۔ قرآن اس کی پُرزور حمایت کرتا ہے۔ اَن گنت مقامات ایسے ہیں جہاں قرآن انسان کے لطیف جذبات کو یہ کہہ کر اُبھارتا ہے۔ کہ اُسے خوبصورتی کے زیور سے آراستہ کرہِ ارض۔ کائنات اور فردوسِ بریں کے حسن کا ادراک کرنا چاہیے ان چیزوں کے تذکرے کے بعد وہ اپنے ماننے والوں کو ہدایت کرتا ہے۔ کہ وہ بھی زندگیوں

کو سلجھاؤ۔ سلیقے اور توازن کے سانچوں میں ڈھالیں اگر لوگوں کے لطیف جذبات کی تسکین کا سامان مہیا نہ ہو۔ تو زندگی خام اور سست رو ہوتی چلی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں انسانی ارتقاء کے راستے مسدود ہوتے چلے جاتے ہیں اور اسلام کا یہ منشا ہرگز نہیں۔ کہ معاشرے کو سُست روی۔ ٹھہراؤ اور تنزل کا شکار بنا دیا جائے۔

اس کے برعکس قرآن ارتقائی۔ روحانی اور اعصابی تناؤ کو سکون مہیا کرنے کی تلقین کرتا ہے

۱۸/۷۔ ۱۶/۱۶۔ ۱۵/۱۵۔ ۱۶/۱۵۔ ۱۶/۷۔ ۳۲۔ ۷/ ۔ ۳/۳۱۔ ۳۱۔ ۳۴ ۳۶ اور ۱۶ ۔ ۷۶۔ ۷۷۔ نمبر آیات کے مطالعے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ قرآن اچھی سلجھی ہوئی اور متوازن زندگی گزارنے کی کتنی پرزور اپیل کرتا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے کرہ ارض کائنات اور بہشت کے حُسن، خوب صورتی اور آراستگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تاکہ انسان اس سے سبق حاصل کریں۔ اسلام کو انسان کے جذباتِ لطیف سے کوئی دشمنی نہیں جیسا کہ اسلام کے کچھ مبلغ اس امر کا چرچا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ اس کی اصل روح کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ لہٰذا اس معاشرے کے خدوخال کا تصوّر نہیں کر سکتے۔ جس کی تشکیل اسلام اس زمین پر چاہتا ہے۔

قرآن میں جابجا اس بات کے حوالے ملتے ہیں۔ جن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمارتیں ان انکی سجاوٹوں اور موسیقی کا تذکرہ موجود ہے اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی فنونِ لطیفہ کی سرپرستی اور ترقیاتی کاوشوں کا ذکر اور اسی طرح کے دوسرے حوالے کثرت سے ہیں۔ جو اہمیت سے خالی نہیں۔ بہرحال چونکہ اس سٹیشن کا دائرہ محدود ہے۔ اس لئے بحث کو اس قدر پھیلانے کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ تمام تر فنون کا احاطہ کر سکے۔

اب ہم دوبارہ اصل سٹیشن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ شناختی کارڈ پاسپورٹ اور اسی قبیل کی دوسری دستاویزات جن پر تصویر لگانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

نظام حکومت کو صحیح طور پر چلانے کے لئے نہایت مفید ہیں۔ اگر بیرون ملک سفر کرنا ہو۔ تو نہ صرف ہمارے اپنے وطن کے قوانین بلکہ دنیا بھر کے دیگر ممالک کے قوانین بھی سفر کرنے والے کو اس امر کا پابند کرتے ہیں۔ تصاویر کے ایسے مفید استعمال کو غیر مناسب یا ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔ ایسی ہی وجوہات کی بنا پر ڈاکٹر یوسف قرضاوی (اسلام میں حلال و حرام) اسلام کی تقریباً روائتی انداز میں تشریح کرنے کے لئے تماثیل کے ڈھیر میں سے تصویر کو الگ کر کے اس کے استعمال کی اجازت دیتے ہیں۔ اور یہی بات قرین قیاس ہے۔ طبری کا نظریہ بھی یہی ہے۔ کہ تصویر اس وقت تک ممنوع نہیں جب تک کہ ان میں جذبات کی آلودگی وغیرہ کا پہلو نہ نکلتا ہو۔ مولانا محمد شفیع بھی اپنی کتاب "تصویر کے شرعی احکامات" میں "اضطرار" کی شرط کے ساتھ تصویر کے استعمال کی اجازت دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے کچھ علمائے کرام اور بعض فقہاء اس مسئلے پر اس قدر سخت موقف کے حامی نہیں۔ جیسا کہ مدعی کے وکیل نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کسی عالم نے تصویر کو واضح اور واشگاف طور پر حرام قرار نہیں دیا۔ تمام علمائے کرام نے حقیقی طور پر اس مسئلے کی گہرائی میں جھانکنے کی کوشش کی ہے۔ جسے سمجھنے سے مدعی قاصر رہا ہے۔

مندرجہ بالا بحث کے نتیجے کے طور پر میں نہیں سمجھتا۔ کہ جس قانون کو اس پٹیشن میں چیلنج کیا گیا ہے۔ وہ اسلامی حدود و آداب سے متصادم ہے۔ اس لئے پٹیشن کو خارج کیا جاتا ہے۔

جسٹس آفتاب حسین : ممبر عدالت نے فیصلے میں مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ کیا:

اپنے فاضل بھائی ذکاء اللہ لودھی ممبر کے تجویز کردہ حکم سے اتفاق کرتے ہوئے میں اضافہ کرنا پسند کروں گا۔ کہ کیمرے کی ایجاد سے صدیوں پہلے فقہا تصویر کو مباح قرار دے کر اس کی اجازت دے چکے تھے۔ مؤطا امام مالک کے صفحات نمبر ۶۷۳-۶۷۲ پر درج

زرقانی کی ایک روایت سے وہ بات صاف ہو کر سامنے آتی ہے جس کے مطابق پردوں اور تکیوں پر بنی ہوئی تصاویر کو قابلِ اعتراض نہیں گردانا گیا۔ (مؤطا صفحہ نمبر ۶۷۳) اور اس کی تائید میں دوسری روایات بھی موجود ہیں۔ اسی دوران میں ڈاک کی ٹکٹوں اور کرنسی نوٹوں پر تصاویر کا سوال بھی اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کو قانونی قرار دیا جا چکا ہے۔ اور خود مدعی بھی ان تصویری ٹکٹوں اور کرنسی نوٹوں کو بلا خوف آزادی سے استعمال کرتا ہوگا۔ مدعی کی طرف سے پیش کئے گئے نظریات اور فتووں کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے متفق ہونا مشکل ہے۔

اس نتیجے کو معروف جیورسٹ عبدالرحمان الجزیری (کتاب الفقہ جلد دوم صفحہ ۶۹۔۷۱) کے نظریے سے بھی تقویت ملتی ہے جس میں تصویروں کے استعمال کی اجازت کے حق میں رائے قائم کی ہے۔

میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ کہ اس پٹیشن کو خارج کر دینا چاہیے لہٰذہ پٹیشن خارج کی جاتی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت میں فیصل ہونے والے متذکرہ بالا دعووں کے اس اجمالی خاکے سے اس ادارے کی اجتہادی صلاحیتوں اور وسعتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ کہ جدید معاشرتی اقدار کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی فکر کے بنیادی اصولوں کی تشریح وتعبیر کے لئے وفاقی شرعی عدالت ایک عظیم اور مؤثر ترین ادارہ ثابت ہو سکتا ہے یہ ادارہ کسی ایک مخصوص مذہب یا مکتبِ فکر کا پابند نہیں۔ یہاں قرآن۔ احادیث اور اجماع کے علاوہ تمام مستند مجتہدین اور فقہائے کرامؒ کی آراء۔ بڑے بڑے اسلامی مفکروں اور صاحب تصنیف بزرگوں کی کتابوں کے علاوہ جدید ترین علوم سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ کسی اجتہادی مسئلے کی مخالفت یا موافقت میں کسی بھی شخص کو اپنا موقف پیش کرنے کی اجازت ہے۔ ہر طبقہ فکر کے علماء کرام دلائل سے اپنا خیال تحریری یا زبانی طور پر بیان کر سکتے ہیں۔ عدالت

اگر محسوس کرے تو از خود بھی پاکستان کے کسی بھی شہری بلکہ دنیائے اسلام کے کسی بھی مفکر کو عدالت میں آنے کی دعوت دے سکتی ہے۔ اور اسے اپنے خرچ پر راہنمائی کے لئے طلب کر سکتی ہے۔

چونکہ یہ اجتہادی ادارہ ابھی تک تجرباتی اور ابتدائی دور میں ہے۔ اس لئے اس کی حدود کار متعین کر دی گئی ہیں۔ اگر ان میں وسعت پیدا کر دی جائے۔ تو یہ ادارہ اجتہاد اضافی کی آب جو سے نکل کر بہت جلد اجتہادِ مطلق کے سمندر میں فکر و نظر کے نئے سفینے رواں کر سکتا ہے۔ جدید دور میں سود کا مسئلہ اور اس کی شاخیں۔ کارخانوں اور اراضی وغیرہ کو قومی ملکیت میں لے لینے کا تصور۔ طرزِ حکومت و نظام حکومت و سیاست اور انتخابات کا طریقۂ کار۔ عوامی نمائندگی کا فلسفہ جدید مالی قوانین۔ کسٹم۔ انکم ٹیکس۔ انشورنس۔ بین الاقوامی قوانین۔ ہوائی سفر کے مسائل۔ ٹیلی فون۔ وائرلیس۔ ٹیلی ویژن سے متعلقہ شرعی اعتراضات و خیالات۔ عورت کی جدید معاشرے میں حیثیت۔ پردہ اور نہ جانے کتنے ہی ایسے مسائل ہیں۔ جن پر جگہ جگہ بکھری ہوئی متنازعہ بحث کو سمیٹ کر ایک پلیٹ فارم پر لایا جا سکتا ہے۔ جہاں ان مسائل کا باری باری تفصیلی جائزہ لے کر تمام موافق و مخالف عناصر کے موقف کو سن کر۔ اور ملک میں موجود تمام تر اجتہادی ادب کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے کے بعد عالمِ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد عامہ کے مطابق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اجتہادی فیصلے کئے جا سکتے ہیں۔ اس طرح آئندہ چند برسوں میں وفاقی شرعی عدالت کے توسط سے ایک ایسا تازہ ترین اجتہادی ذخیرہ عالمِ وجود میں آ سکتا ہے۔ جس کی پشت پر ہمارے صدیوں پر محیط اجتہادی کام کی طاقت بھی ہو گی۔ اور وہ تمام جدید ترین مسائل کا حل بھی پیش کرے گا۔ اس اجتہاد کی باقاعدہ ایک قانونی حیثیت ہو گی۔ اس کی خلاف ورزی کرنے یا اس کو نہ ماننے والوں کو قانونی گرفت میں لیا جا سکے گا۔ اور جب تمام جدید کاروبارِ زندگی ان اجتہادی فیصلوں کی روشنی میں چلے گا۔ تو ظاہر ہے کہ

معاشرے میں خود بخود اسلامی رنگ اور کردار مستحکم ہوتا چلا جائے گا۔ لوگوں کی فکری پراگندگی کم ہوگی۔ فتویٰ بازی کی گرم بازاری سرد ہو جائے گی۔ اور آیندہ بھی غیر اسلامی قوانین کی تطہیر و تدوین کا عظیم کام جاری رکھا جاسکے گا۔ فرقہ بندی اور فقہی مسائل پر اختلاف رائے ختم ہو جائے گا۔ اور اس طرح مسلمانوں میں یک جہتی کی فضا سازگار بنانے میں بڑی مدد ملے گی۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے۔ کہ اس جدید اور عظیم اجتہادی ادارے کے اختیارات اور دائرہ کار کو وسیع کیا جائے۔ اور اس عدالت میں صرف ان لوگوں کو بطور جج تعینات کیا جائے جو ایک اسلامی مجتہد کے کڑے معیار پر پورے اترتے ہوں۔

نوٹ: زیادہ مناسب یہ ہے کہ "وفاقی شرعی عدالت" سے ملحق محققین اور ماہرین فقہ کا ایک سیل بنایا جائے۔ جو ہر اہم مسئلہ پر غور و فکر کرکے وفاقی شرعی عدالت کے فاضل ججوں کو مشورہ دے۔ کیونکہ اجتہاد نہایت ذمے داری کا کام ہے اور اس کام میں جتنے زیادہ محققوں اور ماہروں کو شامل کیا جاسکے۔ بہتر ہے۔ (ادارہ)